ڈاکٹر محمد سرور عباسی

مجلس احرار اور تحریک آزادی کشمیر

انگریزی سامراج کی زیر سرپرستی ایک ڈوگرہ ہندو، مہاراجہ گلاب سنگھ نے ۱۸۴۶ء میں ریاست جموں و کشمیر میں ایک ایسے آمرانہ نظام حکومت کی بنیاد رکھی۔ جس نے اس خطہ جنت نظیر کو ایک وسیع قید خانہ بنا لیا۔ اور اس کی اسی فیصد مسلم اکثریت بے انتہا مصائب و آلام سے دو چار کر دی گئی۔ ایک صدی سے کچھ اوپر کے اس دور حکومت میں، کوئی ایسا انسانیت سوز ظلم نہیں تھا جسے کشمیریوں نے برداشت نہ کیا ہو۔ موجودہ صدی کی پہلی چوتھائی میں الڈوس ہکسلے نے سیر و تفریح کے دوران کشمیر مین بیلوں اور گھوڑوں کی جگہ انسانوں کا استعمال دیکھا تو اس انسانی تذلیل سے شرم سے اس کی گردن جھک گئی۔ اس کا ذکر اس نے اپنے سفر نامے 'Jesting Pilate' میں کیا ہے۔ اس سے قبل Mr. Tyndale Bisco نے جو کئی برس سرینگر میں ایک مشن ہائی سکول کے پرنسپل رہے، ۱۹۲۲ء میں اپنی کتاب 'Kashmir in Sunlight & Shade' میں لکھا۔ کہ ''اگر انگریزی قوم کو اس ظلم کا سامنا ہوتا جسے کشمیریوں نے برداشت کیا تو ممکن ہے۔ کہ ہم اپنی مردانگی کھو بیٹھتے۔''

کشمیر میں برس ہا برس سے، آمریت کے خلاف اندر ہی اندر نفرت اور بے اطمینانی کا جو لاوہ پک رہا تھا اگرچہ اس کے اثرات ۱۹۳۱ء سے پہلے ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔ لیکن اس سال ۲۹ اپریل کو جموں میں خطبہ عید کی بندش ۴ جون کو توہین قرآن کا سانحہ اور ۱۳ جولائی کو سنٹرل جیل سرینگر کے سامنے تقریباً سات ہزار مسلمانوں کے ایک ھجوم پر ڈوگرہ پولیس کی فائرنگ سے کشمیری مسلمانوں کے صبر کا جام چھلک پڑا اور ریاست میں بنیادی حقوق کے حصول کے لیے ایک اسلامی تحریک نے جنم لیا۔ جس کی حمایت میں برطانوی ہند بالخصوص پنجاب میں دو تحریکوں کا آغاز کیا گیا۔ ان میں سے ایک تحریک آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے شروع کی جو ۲۵ جولائی ۱۹۳۱ء کو شملہ میں مسلمانان کشمیر کی اخلاقی، قلمی،

مالی ، اور قانونی امداد کے لیے قائم کی گئی تھی ۔ قادیانی جماعت کے امیر مرزا بشیر الدین محمود کو اس کمیٹی کا صدر مقرر کیا گیا اور ۷ مئی ۱۹۳۳ء کو جب انہوں نے کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دیا تو ان کی جگہ شاعر مشرق و مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال نے جو ابتدا ھی سے اس کمیٹی کے رکن تھے ، صدر بنے ۔ دوسری تحریک کی نوعیت انقلابی تھی ۔ اور اس کا آغاز مجلس احرار نے کیا ۔ مجلس احرار کی تشکیل ۱۹۲۹ء میں کی گئی تھی اور اس کے بانیوں میں چوھدری افضل حق ، مولانا سید عطا اللہ شاہ بخاری ، مولانا ظفر علی خان ، مولانا حبیب الرحمٰن ، شیخ حسام الدین ، غازی عبدالرحمان اور مولانا مظہر علی اظہر شامل تھے ۔ مجلس احرار کے یہ رھنما معاشرے میں اقتصادی لحاظ سے نیم متوسط بلکہ اس سے بھی نچلے درجے کے شہری تھے ۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی تشکیل کے فوراً بعد مرزا بشیر الدین محمود نے مولانا مظہر علی اظہر اور چوھدری افضل حق کو بھی کمیٹی میں شمولیت کی دعوت دی جسے انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا ۔ اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ قادیانیت کا استیصال احرار کے اغراض و مقاصد میں شامل تھا ۔ مجلس احرار کا یہ خیال تھا کہ مرزا بشیر الدین محمود کمیٹی کی آڑ میں ریاست کے اندر اپنے عقائد کی اشاعت کریں گے اور ان کی قیادت مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہو گی ۔ چنانچہ مجلس نے اپنے انداز میں کشمیری مسلمانوں کی حمایت کا پروگرام بنایا ۔

برطانوی ھند میں لاہور کشمیریوں کی امداد کا مرکز و محور تھا ۔ جہاں احرار نے کشمیر کمیٹی کے مقابلے میں اپنے حق میں عمائدین شہر کی تائید حاصل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں ۔ چنانچہ ۹ اگست کو لاہور کی تمام مسلم جماعتوں کے ایک نمائندہ اجلاس میں جس کی صدارت حضرت علامہ اقبال نے کی ، یہ فیصلہ کیا گیا کہ ڈوگرہ راج کے وحشیانہ مظالم کے خلاف احتجاج اور کشمیری مسلمانوں کے ساتھ اظہار ھمدردی کے لیے ۱۴ ، ۱۵ اگست کو پنجاب بھر میں مجلس احرار کے زیر اہتمام جلسے کیے جائیں ۔ نتیجۃً ۱۴ اگست کو ایک جلسہ عام میں حضرت علامہ اقبال ہی کی صدارت میں لاہور کے تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں نے ایک قرار داد پاس کی جس میں تمام مسلم جماعتوں سے مطالبہ کیا گیا کہ حکومت کشمیر کی مسلم کش حکمت عملی کے خلاف خواہ مشترک طور پر خواہ انفرادی حیثیت سے فوری طور پر لائحہ عمل مرتب کیا جائے ۔ چنانچہ اگلے روز مجلس احرار کی مجلس عاملہ نے مولانا مظہر علی اظہر کی زیر صدارت ایک تحقیقاتی کمیٹی بھی مقرر کی جسے ہدایت کی گئی کہ وہ سرینگر جائے اور کشمیری مسلمانوں کی شکایات

کی تحقیقات کرے - اور وہ وسائل و ذرائع دریافت کرے جو ان کی پسماندگی کے تدارک کے لیے ضروری ہوں - اس سے قبل حکومت کشمیر نے برطانوی ہند سے تین وفود کو ریاست میں داخل ہونے اور یہاں کی صورت حال کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا - چنانچہ احرار کے اعلان میں واضح کیا گیا کہ اگر تحقیقاتی کمیٹی کے ارکان کو گرفتار کر لیا گیا یا ریاست میں داخل نہ ہونے دیا گیا تو فوراً سول نافرمانی شروع کی جائے گی - مجلس عاملہ نے غیر مسلم جماعتوں کو بھی تحریک میں مدد دینے کی دعوت دی - لیکن مدد دینا تو درکنار ، انہوں نے اس تحریک کو فرقہ وارانہ قرار دے کر اس کی مخالفت کی - مخالفت کرنے والوں میں مسٹر گاندھی بھی شامل تھے -

مجلس احرار کے فیصلے اور اعلان نے حکومت کشمیر کو تشویش میں ڈال دیا اور ارباب ریاست کو مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کی ضرورت پیش آئی چنانچہ کشمیر کے وزیر اعظم راجہ ہری کشن کول اور کشمیری لیڈروں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا - جسے عارضی صلح نامہ کا نام دیا گیا -

اوائل ستمبر میں مولانا مظہر علی اظہر اور چوہدری افضل حق پر مشتمل احرار کی تحقیقاتی کمیٹی لاہور سے سرینگر روانہ ہوئی - حکومت کشمیر نے وفد کو سرکاری مہمانوں کی حیثیت سے سرینگر میں قیام کی دعوت دی جو وفد نے قبول کر لی - وفد ابھی ارباب ریاست اور کشمیری لیڈروں سے گفت و شنید میں مصروف تھا کہ میکلیگن انجینئرنگ کالج لاہور کے انگریز پرنسپل نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں ہرزہ سرائی کی جس پر کالج کے مسلمان طلباء نے ہڑتال کر دی اور لاہور میں ایجیٹیشن پیدا ہو گیا - جس میں مجلس احرار پیش پیش تھی - چنانچہ مولانا مظہر علی اظہر کو واپس آنا پڑ گیا - انہی ایام میں اہل وادی ایک نئی مصیبت میں مبتلا کر دیئے گئے - کشمیری قائدین نے عارضی صلح نامے کے سلسلہ میں اپنے مواعید کی پابندی کی لیکن حکومت نے اپنا وعدہ پورا کرنے میں تساہل سے کام لیا - مسلمان رہنماؤں کی طرف سے جب حکومت کو شرائط صلح پر عمل درآمد کی طرف توجہ دلائی گئی تو حکومت نے کوئی دھیان نہ دیا اور ۲۲ ستمبر کو شیخ محمد عبداللہ کو گرفتار کر لیا - ان کی گرفتاری کی خبر سنتے ہی سرینگر میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور شہر میں پر زور احتجاجی جلسوں اور جلوسوں کا لا متناہی سلسلہ شروع ہو گیا - جن میں بوڑھے ، جوان ، عورتیں اور بچے شانہ بشانہ شامل تھے - پولیس اور مظاہرین کے مابین بار بار تصادم ہوئے - گولیاں چلیں ،

کرفیو نافذ کیا گیا - جلسوں اور جلوسوں پر پابندی لگائی گئی - سیاسی کارکنوں کی اجتماعی و انفرادی گرفتاریاں ہوئیں - انہیں سر عام کوڑے لگائے گئے اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں - الغرض حکومت نے تحریک کو کچلنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا - انہی دنوں وفد احرار کے رکن چوہدری افضل حق نے وزیر اعظم کشمیر سے دوران ملاقات نظام حکومت کے نقائص دور کرنے اور مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق دلوانے کے سلسلہ میں بات چیت کی لیکن گفت و شنید بے نتیجہ رہی اور وہ واپس چلے آئے -

سرینگر اور وادی کے دوسرے شہروں میں مسلمانوں پر ڈوگرہ فوج اور پولیس کے وحشیانہ مظالم کی خبریں جب پنجاب پہنچیں تو مولانا مظہر علی اظہر نے ان اختیارات کے تحت جو انہیں بحیثیت ڈکٹیٹر حاصل تھے ۴ اکتوبر کو کشمیری مسلمانوں کی امداد کے لیے پنجاب سے ریاست کے اندر رضاکار دستے بھیج کر ایک عوامی تحریک شروع کر دی - مولانا کو فوراً گرفتار کر لیا گیا ، لیکن رضا کار جیش در جیش جموں میں داخل ہونے لگے - احرار کے اس اقدام سے حکومت کشمیر گھبرا گئی - چنانچہ ۵ اکتوبر کو وزیر اعظم کشمیر نے مہاراجہ کی طرف سے تمام سیاسی قیدیوں کی عام معافی کا اعلان کر دیا اور ساتھ ہی یہ اعلان بھی کیا کہ "میری رعایا کا کوئی طبقہ مطالبات پیش کرنا چاہے تو ان پر ہمدردانہ غور کیا جائے گا" - اس اعلان کے بعد ۸ اکتوبر کو احرار نے جتھوں کی پیشقدمی روک دی -

اکتوبر میں کشمیری لیڈر مسلمانوں کی طرف سے مطالبات پیش کرنے کے لیے سرینگر میں جمع ہوئے - اس موقع پر احرار اور کشمیر کمیٹی کے وفود بھی سرینگر موجود تھے - کشمیری لیڈروں نے دونوں جماعتوں کے ایک ایک رکن کو دعوت دی کہ وہ ان کے جلسہ میں اس مسودہ مطالبات کے متعلق اپنی اپنی رائے دیں جو وہ مہاراجہ کو پیش کرنے والے تھے - لاہور کے ایک ممتاز دانشور پروفیسر علم الدین سالک مرحوم جو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے سرگرم رکن تھے ، نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل راقم کو بتایا کہ یہ مسودہ سر فضل حسین کے مشورے سے تیار کیا گیا تھا - جو ان دنوں وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل کے رکن تھے - احرار کا وفد اس قرارداد کا پابند تھا جو مجلس نے ۱۰ اکتوبر کو سیالکوٹ میں منظور کی تھی - اور جس کا لب و لباب یہ تھا کہ وفد احرار مسلمانان کشمیر کے نمائندوں سے مل کر مطالبات کو ترتیب دے گا - لیکن کسی طور پر ذمہ دار حکومت کا مطالبہ ترک نہیں کرے گا - جو حق رائے دہندگی اور

بالواسطہ انتخاب کی اساس پر ہوگا۔ احرار کے نمائندے نے اپنا پورا زور اسی بات پر دیا جسے کشمیری لیڈروں نے نظر انداز کر دیا۔ اس سلسلہ میں چوھدری افضل حق لکھتے ہیں:

"ہم ریاست میں ذمہ دار حکومت کے طالب تھے۔ شیخ محمد عبداللہ کے ذہن میں یہ ڈالا گیا کہ اول تو احرار انگریزی حکومت کی مخالف جماعت ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا میں اس کا اثر معکوس ہے۔ دوسرا ان کا یہ مطالبہ انقلابی نوعیت رکھتا ہے۔ مناسب ہے کہ تم ریاستی لیڈر کی حیثیت سے اقل ترین مطالبہ کرو اور احرار سے بے نیاز رہو۔ بد قسمتی سے احرار کے خلاف یہ ہتھیار بڑا موثر ثابت ہوا۔ شیخ محمد عبداللہ کو ہم اپنا ہم خیال نہ بنا سکے۔"

چوھدری افضل حق کا اشارہ مرزا بشیر الدین محمود کی طرف ہے جنکی داد و دھش نے کشمیری لیڈروں کو احرار سے بے نیاز کر دیا تھا۔ آل انڈیا کشمیر کمیٹی میں مختلف الخیال سیاست دان، دانشور، سماجی اور مذہبی لیڈر ایک مقصد وحید پر جمع ہو گئے تھے۔ البتہ ان میں قادیانی عنصر قلیل التعداد ہونے کے باوجود زیادہ سرگرم اور متحرک تھا۔ اس کمیٹی کی طرف سے کسی بھی مرحلہ پر ذمہ دار حکومت کی حمایت نہ کرنا جو اہل کشمیر کی آزادی کے لیے ایک مؤثر اور کارگر ہتھیار ثابت ہو سکتا تھا، بڑی حیرت کی بات ہے واقعات کے اس تسلسل میں وضاحت طلب امر یہ ہے کہ ایک تنظیم جو بنائی ہی اس لیے گئی تھی کہ مسلمانوں کے حقوق کے مکمل تحفظ، حمایت اور حصول کی کوشش کرے بھلا وہ کیوں اس اہم مطالبے کے بارہ میں چپ سادھ لے؟ اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ برطانوی حکومت کی حکمت عملی اس بات کی روادار نہ تھی کہ کسی ریاست میں رعایا کو وہ انسانی حقوق حاصل ہو جائیں جو ابھی تک برطانوی ہند کے باشندوں کے لیے شجر ممنوعہ تھے۔ انگریزی حکومت کے ساتھ مرزا بشیر الدین محمود کا گہرا ربط و ضوابط تھا۔ کچھ عجب نہیں کہ حکومت کی طرف سے انہیں اس کا اشارہ ہو چکا تھا کہ وہ کس حد تک کشمیریوں کو حقوق دلانے کی حامی ہے۔ جس کے بعد مرزا صاحب انگریزی حکومت کی پالیسی کے خلاف جانے کے لیے تیار نہ تھے۔ مجلس احرار کی سول نافرمانی کے ساتھ ہی مرزا صاحب کا ایک مضمون روزنامہ "انقلاب" لاہور میں شائع ہوا جو احرار کی تحریک کے پہلو میں خنجر گھونپنے کے مترادف تھا۔ اس مضمون کا لب و لباب یہ تھا کہ غیر مسلم آزادی کی تحریک کو ایک فرقہ وارانہ تحریک سمجھتے ہیں۔ اس صورت حال کے پیش نظر یہ خام خیالی

ہے کہ چند جتھوں کی سرگرمیاں اہل کشمیر کو آزادی دلا سکیں گی۔ اگرچہ جدوجہد کی پہلی منزل میں ریاست رعایا کو کچھ حقوق دے دے گی۔ لیکن حقیقی اصلاحات کے حصول کے لیے خود اہل کشمیر کو طویل جد و جہد کرنا پڑے گی۔ باہر کے لوگ مشورہ، مالی امداد یا پروپیگنڈا کے ذریعے اہل کشمیر کی تائید میں جذبات پیدا کر کے تحریک آزادی کو تقویت پہنچا سکتے ہیں۔ مرزا صاحب نے کشمیریوں کو مشورہ دیا کہ وہ غیر ریاستی باشندوں کو ہرگز اپنی تحریک میں جسمانی شرکت کی دعوت نہ دیں۔ کیونکہ اس طرح جدوجہد کی باگ ڈور اہل کشمیر کے ہاتھ سے نکل کر ایسے ہاتھوں میں چلی جائے گی جو بالکل ممکن ہے کہ کسی وقت انہیں فروخت کر ڈالیں اور خود الگ ہو جائیں۔ اس مشورہ کے تحت شیخ محمد عبد اللہ کا احرار پر اعتماد نہ جم سکا۔ انہوں نے سولانا ظفر علی خان کے نام ایک خط میں لکھا:

> ''ہم ہر اس جماعت کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے تیار ہیں جو محض باوجہ اللہ اور صرف مشیر کی حیثیت سے ہم مظلوموں کی امداد کرنا چاہتی ہو۔ خواہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی ہو یا مجلس احرار۔''

۱۹ اکتوبر کو ریاستی مسلمانوں کے ایک وفد نے مہاراجہ سے ملاقات کی اور مطالبات پیش کیے۔ اس واقعہ کو ابھی دو ہفتے بھی نہیں ہوئے تھے کہ احرار نے دوبارہ کشمیر میں سول نافرمانی کا آغاز کر دیا۔ در اصل مطالبات میں ایک ایسی اسمبلی کی سکیم پیش کی گئی تھی۔ جس کی حیثیت محض ایک مجلس مناظرہ کی سی تھی لیکن کشمیر کے لیے ذمہ دار نظام حکومت کا مطالبہ جس کے لیے احرار نے تحریک شروع کی تھی نظر انداز کر دیا گیا۔ احرار نے اعلان کیا کہ ہم ایک ایسی اسمبلی کو جسے کوئی ذمہ داری اور اختیار نہ ہو بے حقیقت اور نمائشی جماعت سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ احرار کا مؤقف کشمیر کی صورت حال کے جچے تلے تجزیئے کی حیثیت رکھتا تھا۔ ذمہ دار نظام حکومت کا مطالبہ دوسرے الفاظ میں ایسا تھا کہ مہاراجہ کے جور و استبداد کے گھوڑے کو آئین کی لگام دیجائے تا کہ وہ بدک کر بد راہ نہ ہو سکے۔

زعماء احرار جذبات اور خیالات میں بالکل مجاہد تھے۔ جس جرأت رندانہ کے وہ پیکر تھے اسے وہ اپنی ولولہ انگیز تقریروں سے لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتے۔ جیسے عظیم مقرر احرار کے پلیٹ فارم پر آئے پھر کبھی نہیں دیکھے گئے۔ احرار کشمیر کے ہر لحاظ سے پریشان حال باشندوں کو اپنی توجہ اور مدد کا مستحق سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ کشمیری لیڈروں

کے تعاون کے بغیر ہی انہوں نے ۳۱ اکتوبر کو دوبارہ سول نافرمانی شروع کر دی ۔ میر واعظ مولوی محمد یوسف شاہ نے احرار کی مخالفت کی نہ حمائت، شیخ محمد عبد اللہ اور چوہدری غلام عباس خان کو احرار کے مقاصد اور پروگرام سے اختلاف تھا کیونکہ وہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے رہنمائی حاصل کرتے تھے ۔ البتہ جموں میں سردار گوہر الرحمان اور جناب اللہ رکھا ساغر نے احرار کے نصب العین کی حمایت کا اعلان کر دیا ۔ چنانچہ احرار کی تحریک کے ساتھ ہی جموں اور میرپور میں سول نافرمانی کی تحریک کا آغاز کیا گیا ۔ میرپور، کوٹلی، بھمبر اور پونچھ کی تحصیل مہنڈر اور حویلی کے کچھ حصوں میں تحریک اس زور سے چلی کہ حکومت کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا ۔

اس اثنا میں مولانا مظہر علی اظہر کو جموں میں گرفتار کرکے دو سال کے لیے جیل بھیج دیا گیا ۔ لیکن احرار کی تحریک بڑی شدت سے چل نکلی اور سرخ پوش رضاکاروں نے کوہالہ، جہلم اور سوچیت گڑھ کے راستوں سے ریاست کے اندر یلغار کا جرأت مندانہ سماں باندھ دیا تھا ۔ تحریک کے جوش و جذبہ کا یہ عالم تھا کہ چند ہی دنوں میں جموں کے جیل خانوں میں قیدیوں کے رکھنے کی گنجائش نہ رہی ۔ تو ستواری کے وسیع میدان میں خاردار تاروں کا ایک جیل تیار کیا گیا ۔ حکومت کشمیر جب اس تحریک کی تاب نہ لا سکی تو اس نے سیاسی چال چلی اور گلانسی کمیشن مقرر کر دیا ۔ اس کا یہ حربہ کامیاب ہوا ۔

احرار کی عظیم الشان تحریک جو نومبر میں طوفان کی طرح چلی تھی تین ماہ بعد غبار کی طرح بیٹھ گئی ۔ سیاسی تحریکوں میں وقت بڑا اہم رول ادا کرتا ہے ۔ تحریک کے دوران حکومت نے گلانسی کمیشن کے تقرر کا اعلان کر دیا ۔ جن لوگوں کی حمایت کی خاطر تحریک منظم کی گئی تھی، وہ کمیشن کے تقرر سے مطمئن ہو گئے ۔ کشمیری لیڈر جو ریاست کے مطلع سیاست پر نئے نئے ابھر رہے تھے مرزا بشیر الدین محمود کے ایما پر ذمہ دار نظام حکومت کا مطالبہ چھوڑ بیٹھے ۔ تاہم چند ہی سال بعد انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ ہم جسے اپنے لیے سب کچھ سمجھتے تھے وہ محض ایک سراب تھا اور اپنی اس غلطی کا سجدۂ سہو یوں ادا کیا کہ ذمہ دار نظام حکومت کے لیے سامراج سے آمادۂ پیکار ہو گئے ۔

احرار کی بے پناہ قربانیوں نے پنجابی اور کشمیری مسلمانوں کو ناقابل شکست رشتوں میں منسلک کر دیا ۔ گذشتہ پچاس سال میں اس تعلق کو جو لازوال دوام حاصل ہوا وہ جنوبی ایشیا کی مسلم تاریخ کا ایک روشن باب ہے ۔